بلاک (3)

اکائی(۱)　　نثر؛ لغوی اور اصطلاحی مفہوم اور نثر کی اقسام

اکائی کے اجزاء:

۱ء۱　اغراض ومقاصد

۱ء۲　تمہید

۱ء۳　نثر کا لغوی مفہوم

۱ء۴　نثر کا اصطلاحی مفہوم

۱ء۵　لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں اشتراک

۱ء۶　نثر مرسل اور نثر مسجع

۱ء۷　نثر کا تاریخی ارتقاء

۱ء۸　نثر اور انشاپردازی کا عہد ارتقاء:

۱ء۹　زمانۂ جاہلیت میں نثر کی انواع واقسام

۱ء۱۰　زمانۂ جاہلیت کے بعد نثر کی مزید اقسام

۱ء۱۱　جاہلی دور کی نثر کی امتیازی خصوصیات

۱۲ء۱ خلاصہ

۱۳ء۱ نمونے کے امتحانی سوالات

۱۴ء۱ فرہنگ

۱۵ء۱ سفارش کردہ کتابیں

۱ء۱ اغراض ومقاصد:

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ:

نثر کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم سے واقف ہو جائیں گے۔

نثر کے تاریخی ارتقاء سے واقف ہوں گے۔

نثر کی انواع واقسام سے واقف ہوں گے۔

زمانۂ جاہلیت اور جدید زمانہ کی نثر میں تقابل اور موازنہ کر سکیں گے۔

۲ء۱ تمہید:

عربی نثر مختلف الفاظ وکلمات اور عربی حروف کے ذریعہ تشکیل پاتا ہے، عربی زبان کے آغاز سے ہی عرب بعض عبارتوں اور جملوں کا استعمال کرتے تھے، واضح طور پر یہ عربی عبارت اور عربی کلام نثر پر مشتمل کلام ہوتا

ہے، انسان روزمرہ کی ضروریات کی تکمیل اور زندگی گزارنے کے لئے عام طور پر مافی الضمیر کی ادائیگی کے لئے جو زبان استعمال کرتا ہے وہ نثر ہی کی شکل میں ہوتی ہے، عمومی زندگی میں انسان نثر ہی کی زبان استعمال کرتا ہے جس میں وہ نحوی وصرفی قواعد کے علاوہ اور کسی چیز کا اہتمام والتزام نہیں کرتا ہے، نثر کی زبان میں انسان قافیہ بندی یاوزن کی پابندی کا اہتمام نہیں کرتا ہے بلکہ آسان اور سہل زبان میں ترتیب اور تسلسل کے ساتھ مافی الضمیر کی ادائیگی کی جاتی ہے، جب انسان بغیر سوچے سمجھے اور الفاظ وکلمات کو ترتیب دئے بغیر بے ساختہ بولتا ہے تو یہ عام بول چال کی زبان ہوتی ہے اور اس کو ادبی زبان کا حصہ نہیں مانا جاتا ہے، ادبی زبان کے لئے ضروری ہے کہ ایسے مضامین، مفاہیم وخیالات پر مشتمل کلام ہو جن سے جذبات میں انقلاب وتغیر پیدا ہو اور کلام کے مشمولات خوبصورت الفاظ اور مناسب وموزوں اسلوب بیان اور تعبیرات پر مشتمل ہوں، اس طرح کا کلام ہی ادبی شہ پارہ شمار کیا جاتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت اور خلافتِ راشدہ کے آغاز میں نثر نگاری کے ابتدائی خدوخال قائم ہوئے، اموی دورِ حکومت میں تمام اسلامی علوم کو بنیادی فروغ بھی ملا اور اسی بنیاد پر بعد کے عہد عباسی میں کتابوں کی تدوین ہوئی، اس عہد میں سادہ نثر نگاری کے ساتھ نثر فنی کو بھی کافی ترقی ملی، اس کے بعد یہ فن مسلسل ترقی کرتا رہا، تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ، انساب، ادب، خطابت کے علاوہ سائینسی علوم فلسفہ، ہندسہ، کیمیا، فلکیات وغیرہ تمام علوم نثر پر مشتمل علوم ہیں جن میں نثر نگاری کو ہی تعبیر وتوضیح کی بنیاد بنایا گیا۔

۱۔۳ نثر کا لغوی مفہوم:

نثر ینثر نثرا کے معنی: کسی چیز کو بکھیرنا، متفرق کرنا۔

صاحب "لسان العرب" لکھتے ہیں: النثر: نثرک الشيء بيدک، ترمي به متفرقا، مثل نثرُ الجوز واللوز والسكر وكذلك نثر الحب إذا بذر.

یعنی: نثرک الشيء بید ک (اپنے ہاتھ سے کسی چیز کو بکھیرنا) اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ تم کسی چیز کو متفرق کر و اور بکھیرو، جیسے بادام، آخروٹ، چینی کا بکھیرنا، اسی طرح نثر الحب (دانہ / غلہ بکھیرنا) اس وقت استعمال ہوتا ہے جب اس کو بونے کے لئے بکھیرا جائے۔

اس اعتبار سے معلوم ہوا کہ "نثر" کا لغوی اطلاق بکھری ہوئی اور متفرق چیز پر ہوتا ہے، یعنی کوئی ایسی چیز جو کسی اساس وبنیاد پر قائم نہ ہو، بلکہ متفرق اور جدا جدا ہو۔

۱ء۴ نثر کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاحی اعتبار سے نثر کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

"نثر" وہ کلام ہے جو کسی متعین وزن پر قائم نہ ہو البتہ اس میں کچھ حقائق بیان کئے گئے ہوں"۔

"انسان اپنی زندگی گزارنے کے لئے یا روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے کے لئے جو کلام اپنی زبان سے ادا کرتا ہے یا اپنے دوست واحباب سے ملتے وقت یا پھر کہیں دوسری جگہوں پر جو کلام استعمال کرتا ہے اسے نثر کہتے ہیں"۔

عام مواقع پر انسان بغیر سوچے سمجھے اور بغیر الفاظ کو ترتیب دئے ہوئے بے ساختہ بولتا چلا جاتا ہے اس طرزِ تخاطب کو اصطلاح میں "عام بول چال" کہیں گے، کیونکہ کسی کلام میں نثری ادب پارہ ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱: ایسے مضامین، اغراض یا خیالات ہوں جن سے جذبات میں انقلاب، تغیر یا ہیجان برپا ہو جائے اور کلام میں اثر انگیزی پیدا ہو۔

۲: دوسری شرط یہ ہے کہ پیچیدہ اور سادہ الفاظ کے بجائے خوبصورت اور منتخب الفاظ کے ذریعہ مضامین اور خیالات بیان کئے جائیں۔

مذکورہ بالا شرائط اگر کسی نثر میں موجود ہوں تو وہ ادب میں شمار ہو گا اور ایسے ادب کو "نثر فنی" کہا جاتا ہے۔

۱ء۵ لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں باہم اشتراک:

نثر کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں اس اعتبار سے اشتراک پایا جاتا ہے کہ نثر میں کوئی قافیہ بندی نہیں ہوتی ہے، وزن کی یکسانیت کا اہتمام والتزام نہیں ہوتا ہے، صرف مفہوم اور فکر کی ترجمانی اور ادائیگی کے لئے مناسب الفاظ وکلمات کا انتخاب کیا جاتا ہے، چونکہ الفاظ منتشر اور بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے نثر کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں باہم اشتراک پایا جاتا ہے۔

۱ء۶ نثر مرسل اور نثر مسجع:

عبارت کے آخری الفاظ وکلمات کی موزونیت وعدم موزونیت کے اعتبار سے نثر کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱: نثر مرسل ۲: نثر مسجع

"مرسل" نثر کی وہ قسم ہے جس میں عبارت کے آخری کلمات میں قافیہ بندی نہ ہو۔ یعنی ہر جملے کا آخری لفظ ایک وزن پر ختم نہ ہو۔

"مسجع" نثر کی وہ قسم ہے جس میں ہر جملے میں یا دو جملوں یا ان سے زیادہ جملوں کے بعد کے الفاظ میں قافیہ بندی یعنی ہم وزن الفاظ استعمال کئے جائیں۔

۱ء۷ نثر کا تاریخی ارتقاء:

جاہلی دور میں عرب قوم ان پڑھ تھی، لکھنے پڑھنے کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے اپنی بات کہنے کا ذریعہ صرف ان کی زبان تھی، خطابت کا عام رواج تھا، لہذا ان کے یہاں لکھنے پڑھنے کا رواج آخری زمانہ میں ہوا۔

عہد نبوی میں اسلامی علوم کا جو ارتقاء شروع ہوا وہ خلافتِ راشدہ کے اولین دور میں تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتا رہا، تیس سالہ دورِ خلافت میں بعض اسلامی علوم جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت و تاریخ وغیرہ کے ابتدائی خد و خال قائم ہو سکے، البتہ اموی دورِ خلافت میں تمام اسلامی علوم وفنون کو نہ صرف بنیادی فروغ ملا بلکہ اس زمانہ میں زبانی روایت اور کتابوں اور صحیفوں دونوں کی صورت میں اسلامی علوم وفنون کی جو شکل متعین ہوئی اس کی بنیاد پر بعد کے دور یعنی عہدِ عباسی میں کتابوں کی تدوین ہوئی، اموی حکومت کے دوران متعدد دوسرے علوم وفنون میں بھی ترقی ہوئی ان میں انساب، ادب، شاعری، لغت، خطابت وغیرہ شامل ہیں، ساتھ ہی بعض عقلی وسائینسی علوم جیسے فلسفہ، ہندسہ، کیمیا، فلکیات، طب وغیرہ کی بھی بنیاد پڑی۔

اس عہد میں سادہ نثر نگاری کے ساتھ ساتھ نثر فنی کو بھی کافی ترقی ملی، نثر کی ادائیگی زبان و قلم کے حوالے سے ہو سکتی ہے، زبان کے ذریعہ کی جانے والی ادائیگی کو خطابت کہتے ہیں اور اگر قلم کے ذریعہ کی جائے تو انشاپردازی ہے۔

خطابت کے بھی مختلف موضوعات ہیں: جیسے سیاسی، انتظامی، دینی وغیرہ۔ اس کے علاوہ قصص اور ضرب الامثال بھی نثر ہی میں شامل ہیں۔

کتابت یعنی انشاپردازی جن میں رسائل یا خطوط و فرامین، مرکزی و صوبائی حکومتوں کی مراسلت نگاری اور ذاتی و نجی خطوط نویسی اور واعظانہ خطوط شامل ہیں۔

عربی انشاپردازی منقح شکل میں عہد اموی سے ظاہر ہونا شروع ہوئی، حضرت معاویہؓ نے اپنے عہد میں مزید دو دفاتر قائم کئے: ۱) سرکاری خطوط و رسائل کا دفتر۔ ۲) مہر کا دفتر (دیوان الخاتم) تاکہ سرکاری فرامین کی نقول دفتر میں رکھنے کا معقول انتظام ہو جائے اور تغیر و تبدل کا امکان باقی نہ رہے۔

تاریخ کے ہر دور میں فن کتابت کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا لیکن اموی دور میں انشاپردازی نے اتنی ترقی حاصل کرلی کہ وہ بام عروج کو پہنچ گئی۔

اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اموی حکومت کا دفتر کاروبار بہت وسیع ہو گیا تھا اور ہر خلیفہ ماہر انشاپرداز کو ہی اپنا کاتب مقرر کرتا تھا۔

دوسرے یہ کہ عبد الملک بن مروان نے عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا، اس کا نتیجہ خالص علمی وادبی نقطۂ نظر سے یہ ہوا کہ انشانے مستقل فن کی حیثیت اختیار کرلی۔

ناقدین کا ماننا ہے کہ عربی انشاپردازی کی شروعات عبد الحمید کے ہاتھوں ہوئی اور اس کی انتہا عباسی دور کے مشہور انشاپرداز ابن العمید پر ہوئی۔

اس زمانے میں پہلی بار اتنا دلنشین، شگفتہ اور مؤثر اسلوب نگارش عبد الحمید کے ذریعہ وجود میں آیا، انہوں نے رسائل نگاری کو ایک نئے انداز سے پیش کیا جس کے ذریعہ عربی نثر نگاری کو ادبی وفنی مقام حاصل ہوا۔ انہوں نے نثر میں مکتوب نگاری، دفتری خط وکتابت اور فرمان نویسی کی ایسی ریت قائم کی اور ایسا نمونہ چھوڑا جو بعد میں آنے والوں کے لئے مشعل راہ بن گیا۔

۱۸ء نثر اور انشاپردازی کا عہد ارتقاء:

اموی دور تک نثر اور انشاپردازی چند ہی پہلوؤں تک محدود رہی، البتہ عباسی دور میں جہاں بہت سی چیزوں میں ترقی اور تبدیلی رونما ہوئی وہیں عباسی انقلاب نے عقلوں اور رجحانات پر گہرا اثر مرتب کیا جو انشاپردازوں کے قلم وقرطاس سے ظاہر ہوا، انہوں نے معانی ومفاہیم کے بہنے والے چشمے جاری کئے اور معیاری اور عمدہ الفاظ کا انتخاب کیا جو نہ تو غیر مانوس تھے اور نہ ہی بازاری اور عامیانہ تھے، اور انہوں نے نئے نئے اسالیب کے دروازے کھولے اور عبارت کو مزین اور موزوں بنانے کا خصوصی اہتمام کیا۔

جب مملکت کا دائرہ کار وسیع تر ہو گیا تو انشا پردازی امویحکومت کی طرح صرف دفتری کاروبار اور خطوط ورسائل نویسی تک محدود نہ رہی بلکہ اس سے باہر نکل کر تصنیف وتالیف ،ترجمہ نگاری، مقالات،مقامات ،عہد نامے،وصف،مناظرہ، بخشش وانعام دینے یا طلب کرنے، ملاقات سے قبل تعارف، شکریہ، ناراضگی، تعزیت،مبارکباد، خوشنودی حاصل کرنے جیسے مختلف موضوعات کے لئے بھی استعمال ہونے لگی۔ اور دیگر ان تمدنی موضوعات وعنوانات کے لئے بھی جن کا اس سے ماقبل وجود تک نہ تھا۔

عباسی دور کے اوائل میں انشاپردازی عبد الحمید کے اسلوب پر ہی برقرار رہی جس میں اختصار کو مدنظر رکھا جاتا تھااور مبالغہ آمیزی اور عبارت کی تزیین وترتیب میں میانہ روی کا لحاظ رکھا جاتا تھا، خصوصاخطوط ورسائل اور توقعیات میں، البتہ جب عربوں میں خوشحالی عام ہوگئی اور ان کا ایرانیوں کے ساتھ میل ملاپ بڑھا تو وہ خوش نویسی میں تکلف اور طوالت اختیار کرنے لگے، زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی اس میں ترقی کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے قدیم اسالیب کو ترک کر دیااور ایک مطلب بیان کرنے کے لئے تکرار کا استعمال کرنے لگے، پھر وہ عبارت کو مسجع وموزوں بنانے اور اس میں اشعار اور امثال کی آمیزش کرنے لگے، یہ سب کچھ ازخود طبعی طور پر ہوتا تھا کیونکہ اس میں نفسِ مضمون کو عمدگی سے بیان کیاجاتا تھااور لفظی تکلفات کی کمی تھی، البتہ خلافت کے زوال کے ساتھ ساتھ انشاپردازی پر بھی اس کا اثر پڑا، انشاپرداز اس کے مقصد سے غافل ہوگئے اور صرف الفاظ کو خوشنما بنانے میں مشغول ہوگئے۔

۱ء۹ زمانۂ جاہلیت میں نثر کی انواع واقسام:

مؤرخین کا خیال ہے کہ عربوں نے نثر کے بہت سے نمونے چھوڑے ہیں لیکن راویوں نے صرف انہیں کو محفوظ رکھاجو مختصر، دلکش اور مؤثر ہونے کے علاوہ اپنے اندر ابدی حقائق رکھتے تھے، ذیل میں نثر کی مختلف قسموں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا رواج جاہلی زمانہ میں عام طور سے تھا اور جن کے نمونے ہم تک کم وبیش پہنچ سکے ہیں:

۱: محاورہ یا عام بول چال

۲: خطابت یا تقریر

۳: وصیتیں

۴: ضرب الأمثال (کہاوتیں)

۵: فلسفیانہ اور حکیمانہ مقولے

۶: قصے اور کہانیاں

۱: محاورہ یا عام بول چال

انسان عام طور پر زندگی میں نثر کا استعمال کرتا ہے، یہ طرزِ بیان "گفتگو (محاورہ) یا بول چال" کہلاتا ہے، عربوں کی بولچال کی زبان بھی لکھنے کی زبان سے کم دلکش اور مؤثر نہ تھی، وہ اسی فصاحت وبلاغت سے بولتے بھی تھے جس انداز سے لکھتے تھے، البتہ عام طرز کے کلام کو ادب نہیں کہہ سکتے ہیں، اس لئے کہ کسی کلام میں نثری ادب پارہ ہونے کے لئے مطلوبہ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، مطلوبہ شرائط اگر کسی نثر میں ہیں تو وہ ادب میں شمار ہوگا اور ایسے ادب کو ہی "نثر فنی" کہا جاتا ہے۔

اس اعتبار سے جاہلی نثر کی دو قسمیں ہیں:

۱: ایک تو وہ جو روزمرہ کی گفتگو ہوتی تھی۔

۲: دوسری وہ نثر جس کو تراش خراش کے ذریعہ ادب کا حصہ بنایا جاتا ہے جس کے ذریعہ نفس میں اثر اندازی پیدا ہو، اور جذبات کو ابھارا جائے۔

۲: خطابت یا تقریر:

خطابت یا تقریر "نثر فنی" کی اہم قسم ہے، خطابت اس فن کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص کسی ملکی، قومی، سماجی، اخلاقی، دینی مسئلہ یا زندگی کے کسی بھی اہم پہلو پر کسی انسانی مجمع میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت اس غرض سے کرے کہ وہ مجمع کو متاثر کر کے اپناہم خیال بنائے۔

جب فن خطابت کی غرض وغایت یہ ہے تو خطیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ سننے والوں کی عقلی وذہنی کیفیت سے پوری طرح واقف ہو، اور جس موضوع پر بول رہاہے اس میں اسے مہارت تامہ حاصل ہو اور زبان پر ایسی قدرت ہو کہ جب بولنا شروع کرے تو اپنی قوتِ بیان کی جاذبیت،الفاظ کے زیر وبم وخوبصورتی، قوتِ استدلال کے اچھوتے پن اور ندرت سے سامعین کے دل ودماغ پر اس طرح چھاجائے کہ وہ پوری طرح مطمئن ہو کر وہ سب کچھ کہنے لگیں جسے مقرر اُن سے کہلوانا چاہتاہے۔

عربی ادب میں خطبات کی حسبِ ذیل تقسیم کی گئی ہے:

ا: سیاسی خطبات:

وہ تقریریں جو سیاسی جماعتوں کے لیڈر اور رہنماسیاسی پلیٹ فارم پر ملک یابیرون ملک کے سیاسی مسائل پر کرتے ہیں، یا وہ تقریریں جو ملک کے نمائندے پارلیمنٹ یاصوبائی اسمبلیوں میں کرتے ہیں۔

۲: دینی خطبات:

اس صنف میں وہ تقریریں یا مواعظ آتے ہیں جن کے ذریعہ علماء لوگوں تک اللہ کا پیغام اور دین کے احکام وفضائل پہنچاتے ہیں۔

۳: قانونیخطبات:

اس ضمن میں وہ تقریریں آتی ہیں جو عدالتوں میں وکلاء اپنا مقدمہ پیش کرنے کے لئے اور جج حضرات کسی مقدمہ میں اپنا فیصلہ سناتے وقت کرتے ہیں۔

جاہلی زمانے کے خطبات کی خصوصیات:

جاہلی زمانہ کے خطبات میں دو باتیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں:

ا: مفاخرت:

دو قبیلے باہم مفاخرت کرتے تھے اور اپنے اپنے فخریہ کارنامے بیان کرنے کے بعد ان کو ایک حکم (جج) کے سامنے فیصلہ کرنے کے لئے پیش کرتے تھے۔

۲: قوم یا وفد کی ترجمانی:

اہلِ عرب کے وفود امراء وسلاطین کی خدمت میں حاضر ہوتے اور تقریر وخطابت کے ذریعہ اپنے اغراض کو ان کے سامنے نہایت ادبی پیرائے میں پیش کرتے تھے۔

یوں تو عربوں میں بہت سے ممتاز اور نامور مقرر گزرے ہیں لیکن ان میں سے اکثر کے حالات ہم تک نہیں پہنچ سکے، البتہ قدیم ترین خطباء میں کعب بن لؤی جو رسول اللہ ﷺ کے آباء واجداد میں سے تھے اور حرثان بن محرث جو ذو الاصبع العدوانی کے لقب سے مشہور ہیں کافی نامور گزرے ہیں۔

بعد کے مقررین میں سے جن کو اپنی فصاحت وبلاغت میں شہرت حاصل ہوئی قیس بن خارجہ بن سنان ہے جو داحس اور غبراء کی جنگ کا مشہور مقرر گزرا ہے، خویلد بن عمرو الغطفانی، جس نے حرب فجار کے موقع پر امتیاز حاصل

کیا تھا، قیس بن ساعدہ الایادی بازار عکاظ کا مشہور مقرر، اکثم بن صیفی اور عمرو بن معدی کرب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۳: وصیتیں:

"وصیت" ان چھوٹے چھوٹے حکمت وفلسفہ اور عقلمندی پر مشتمل جملوں کو کہتے ہیں جو کوئی شخص اپنے قریب، کسی عزیز یا دوست یا جاننے والے سے بربنائے خلوص کسی خاص موقع پر اس نیت سے کہے کہ اسے کسی کام سے نقصان پہنچنے سے باز رکھے یا نفع کی امید میں کوئی کام کرنے کی ترغیب دے۔

دورِ جاہلی میں نثر کی اس صنف کا خاصا رواج تھا، جن لوگوں نے اس دور میں دلکش اور مؤثر اندازِ بیان میں مفید اور نفع بخش باتوں کی تلقین کی ان میں زہیر بن جناب الکلبی اور ذو الاصبع العدوانی خاص طور پر مشہور ہیں، جاہلی نثر میں وصیتوں کو بھی فصاحت وبلاغت، جامعیت اور معنویت میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

۴: ضرب الأمثال (کہاوتیں):

ضرب المثل (کہاوت) اس جملے کو کہتے ہیں جو کسی خاص موقع پر کسی خاص بات کو مختصر لیکن جامع طریقے سے بیان کرنے کے لئے کہا گیا ہو اور وہ جملہ خاص وعام میں مقبول ہو کر زبان پر چڑھ گیا ہو۔

عربی زبان میں کہاوتیں دو طرح کی پائی جاتی ہیں: ایک حقیقی، یعنی جنہیں انسانوں نے کہا ہو اور فرضی جو جانوروں کے منہ سے ادا کرائی گئی ہوں۔

جانوروں کی زبانی کہاوتیں کہلانے کا رواج خاص حالات کے پیش نظر پڑا جب کہ معاشرہ میں حکمراں طبقے اور سربر آوردہ لوگوں کا ظلم بڑھ گیا ہو اور مفکرین و مصلحین کو اس کا خطرہ پیدا ہو گیا ہو کہ اگر انہوں نے اپنی زبان سے اس قسم کے جملے کہے جن کی چوٹ حکمراں طبقے پر پڑے گی تو وہ ان پر ظلم وزیادتی کریں گے۔

ضرب الأمثال خطباء اور شعراء دونوں کے یہاں پائی جاتی ہیں، جیسے ضرب المثل نظم میں زہیر بن ابی سلمی کے یہاں پائی جاتی ہیں، نثر میں اکثم بن صیفی کے یہاں بکثرت ملتی ہیں، عربی کہاوتیں بہت سی کتابوں میں جمع کی گئی ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور میدانی کی "مجمع الأمثال" ہے۔

چند معروف ضرب الأمثال:

"إنک لا تجني من الشوک العنب" یعنی: تم کانٹوں سے انگور نہیں توڑ سکتے۔

"إن البغاث بأرضنا یستنسر"۔ یعنی: کمزور چڑیا بھی ہماری زمین میں گدھ کی طرح طاقتور بن جاتی ہے (اپنی گلی میں کتا بھی شیر)

"رب حال أفصح من اللسان" یعنی: کبھی کبھی زبانِ حال زبانِ قال سے زیادہ واضح ہوتی ہے۔

۵: فلسفیانہ اور حکیمانہ مقولے:

وہ دلکش، جامع ومانع اور خوبصورت جملے جن میں زندگی کے تجربات کی بناپر ایسی صحیح اور اٹل حقیقت کا اظہار ہو جن کا کوئی انکار نہ کر سکے، عربی زبان میں کہاوتیں اور حکیمانہ مقولے نظم و نثر دونوں اصناف میں ملتے ہیں اور بڑے ہی دلکش اور مؤثر ہوتے ہیں۔

چند معروف مقولے:

"كلم اللسان أنكى من كلم السنان". یعنی: زبان کا زخم نیزہ کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

"رضا الناس غایۃ لا تدرک" یعنی: لوگوں کو خوش رکھنا ایسا مقصد ہے جو کبھی پورا نہیں ہوتا۔

"رب عجلۃ تھب ریثا". یعنی: کبھی جلد بازی تاخیر کا باعث بن جاتی ہے۔ جیسے اردو محاورہ ہے: جلدی کا کام شیطان کا۔

۶: قصے کہانیاں:

قوموں کی ادبی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب انہوں نے اجتماعی زندگی کا آغاز کیا اس وقت کہانیاں ان کی زندگی کا لازمی جزء بن گئیں، ان میں سے بعض کہانیاں اتنی مقبول ہوئیں کہ ان کو ادب میں قومی حیثیت حاصل ہو گئی، عرب قوم بھی دنیا کی قدیم قوموں میں سے ہے جس نے زندگی کے مختلف نشیب و فراز دیکھے اور ان سے حاصل شدہ تجربات کو کبھی شعر میں اور کبھی نثر میں بیان کیا ہے، نثر میں بیان کردہ اصناف میں ایک قصہ بھی ہے جو عربوں کے یہاں بہت عام تھا۔ جاہلی زمانے میں لوگ دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر "ندوات سمر" رات میں گپ شپ کے حلقے اور مجلسیں منعقد کرتے تھے جن میں وہ اپنے اسلاف کے کارناموں، بہادری اور شجاعت کے قصوں کو بیان کرتے تھے۔ کہانیاں سننے کا رواج اسلامی عہد میں بھی ایک زمانے تک رہا، خود قرآن کریم نے بھی عبرت کے لئے گذشتہ قوموں کے قصوں کو مختلف مقامات پر بیان کیا ہے اور اس معجز نمائی کے ساتھ کہ بعض سورتیں عربی ادب کا شہ پارہ بن گئی ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں جن قصوں کا رواج تھا ان کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم تو ان قصوں کی ہے جنہیں ہم "لوک کتھا" کہہ سکتے ہیں، چونکہ عرب قوم کی زندگی کا بیشتر حصہ جنگی سرگرمیوں میں گزرتا تھا اس لئے عام طور پر ان کہانیوں کا موضوع جنگ اور بہادری ہوتا تھا، ان کہانیوں میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول کہانی عنترہ کی ہے جسے قصصی ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے، اس کے علاوہ ان قصوں کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے جنہیں عربی ادب میں "ایام العرب" کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم ان قصوں کی ہے جنہیں عربوں نے دوسری قوموں سے لیا ہے اور انہیں اپنے ذوق کے مطابق عربی زبان کا ایسا جامہ پہنایا ہے کہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے، عربوں میں بہت سے ایرانی قصے سرزمین ایران سے عرب پہنچے، ان میں فارسیت کا وہم و گمان بھی نہیں ہو پاتا ہے۔

ان قصے کہانیوں اور کچھ ادھر ادھر سے لی ہوئی داستانوں سے اسلامی زمانہ میں قصے کہانیوں کی "الف لیلۃ ولیلہ" جیسی ضخیم کتابیں وجود میں آئیں جو آج بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

۱۰ء۱ زمانۂ جاہلیت کے بعد نثر کی مزید اقسام:

زمانۂ جاہلیت میں نثر کی جو انواع واقسام معروف تھیں بعد کے ادوار میں مزید اقسام کا اضافہ ہوتا رہا، خاص طور پر خطوط ورسائل، توقیعات (درخواستوں اور دستاویزات کے نیچے لکھی ہوئیں مختصر تحریریں) مقامات، ڈرامہ، افسانہ نویسی۔ عجم اور یورپ سے اختلاط کی وجہ سے بہت سی اصناف کا اضافہ ممکن ہوا۔ اہم اصناف کا مختصر تعارف مندرجہ ذیل ہے:

مقامات نویسی اور مقامہ نگاری:

مقامہ اس چھوٹی سی خوش اسلوب کہانی کو کہتے ہیں جو کسی نصیحت یا لطیفہ پر مشتمل ہو۔

مقامہ کے اصل معنی کھڑے ہونے کی جگہ کے ہیں، پھر اس معنی میں وسعت پیدا کی گئی ہے اور اسے مجلس اور جگہ کے معنی میں استعمال کرنے لگے، پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے مجلس میں ہونے والی گفتگو کو "مقامہ" کہنے لگے۔ مجلس میں پیش کئے جانے والے خطبے، پند و نصیحت کو بھی مقامہ کہا جاتا ہے۔

نثر کی یہ صنف عہد عباسی کے وسط میں شروع ہوئی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مقامات نویسی کی ابتدا ابن فارس نے کی، پھر اس کی نقل کرتے ہوئے اس کے شاگرد رشید بدیع الزماں نے مقامات لکھے جو اتنے عمدہ اور دلچسپ تھے کہ ان کی وجہ سے وہ اس فن کا امام تسلیم کر لیا گیا۔

مقامہ کی عبارت مقفی مسجع اور اس میں بھاری بھر کم، شاذ اور متروک الفاظ استعمال ہوتے تھے، اسی لئے بعد میں یہ صنف متروک سی ہو گئی، البتہ اس نے ڈرامہ کے لئے راہ ہموار کی، بیسویں صدی میں ابراہیم مویلحی نے "حدیث عیسی بن ہشام" لکھی جو مقامہ اور ڈرامہ کی بیچ کی چیز تھی۔

توقیعات:

توقیعات وہ مختصر تحریریں یا نوٹس جو خلیفہ، امیر، وزیر یا رئیس کے سامنے پیش کی جانے والی درخواستوں کے نیچے مختصر عبارت لکھ کر اپنے دستخط ثبت کر دیتے تھے۔

افسانہ نویسی:

افسانہ ادب کی اہم نثری صنف ہے، لغت کے اعتبار سے افسانہ جھوٹی کہانی کو کہتے ہیں لیکن ادبی اصطلاح میں یہ لوک کہانی کی ہی ایک قسم ہے۔

جب جدید انقلاب کی پہلی جماعت تیار ہوئی تو جہاں یورپ کا اور بہت سا ادب درآمد کیا گیا وہیں عرب کا داستاں نویسی کا فن بھی آ گیا، عربی ادب میں افسانہ فن کی حیثیت سے پہلی جنگ عظیم کے بعد وجود میں آیا، اس فن کو عربی میں لانے کی ابتداء شامیوں نے کی، کیونکہ انہوں نے ہی سب سے پہلے یورپین اقوام سے تعلقات پیدا کر کے وہاں کے علوم کو حاصل کیا، ان میں فرانسی مراش حلبی، سلیم بستانی، جرجی بک زیدان قابلِ ذکر ہیں، پھر مصریوں نے بھی قصہ نویسی میں حصہ لیا لیکن وہ تعداد کے اعتبار سے بہت ہی کم ہیں۔

اس صنف میں مصطفی لطفی منفلوطی اور جبران خلیل جبران نے کچھ طبع زاد اور کچھ ترجمہ شدہ کہانیوں کے ذریعہ پہل کی، لطفی کی مثال ''العبرات'' اور ''النظرات'' ہیں اور جبران کی ''الأرواح المتمردة'' اور ''الأجنحة المتکسرة'' ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد افسانہ نگاری میں بڑی ترقی ہوئی، اس کے تین مکتب فکر وجود میں آئے: ایک رومان پسند مکتب فکر جس کے رہبر اور امام منفلوطی اور جبران تھے۔

دوسرا حقیقت پسند مکتب فکر، جس میں آزمودہ کار اور نامور ادباء تھے جیسے افسانہ کے بابا آدم محمود تیمور اور ان کے بعد ڈاکٹر طہ حسین، عباس محمود العقاد، میخائیل نعیمہ۔

تیسرا مکتب فکر ان نوجوان ادیبوں کا ہے جن کی نگارشات میں زمانۂ حال کے فنی میلانات اور ترقی پسند خیالات کا عکس نظر آتا ہے، ان کے خاص موضوع سماجی پسماندگی اور مزدور طبقہ کے مسائل اور مشکلات کی تصویر کشی ہے، ان میں قابلِ ذکر یوسف ادریس، محمود بدوی، یوسف السباعی اور احسان عبد القدوس ہیں۔

ڈرامہ:

ڈرامہ نویسی کا فن عربوں میں بالکل ہی اجنبی رہا، جیسے اسے کوئی جانتا ہی نہیں تھا، حتی کہ یورپ کے سفروں اور ان کی داستانوں کے تراجم کے ذریعہ عربی ادب میں اس کی جان پہچان ہوئی، یورپ کے ادب کا مطالعہ کرنے والی ایک جماعت نے پوری تیاری کئے بغیر فقط نقالی اور تقلید کرتے ہوئے اس موضوع پر طبع آزمائی کرنا شروع کر دی۔

اسٹیج ڈرامہ کی ابتداء بیروت میں مارون النقاش نے کی، انہوں نے سب سے پہلا ڈرامہ ''البخیل'' ۱۸۴۸ء میں اسٹیج کیا، ۱۸۵۵ میں مارون النقاش کے انتقال کے بعد اسٹیج ڈرامہ مصر میں آیا، ڈرامہ نویسی میں کئی ادیب ابھرے لیکن توفیق الحکیم نے اس کو کمال بخشا، جو عربی ڈرامہ کے بابا آدم ہیں۔

توفیق نے نہ صرف یونانی کلاسیکی ڈراموں کو عربی کا جامہ پہنایا بلکہ بعض ان قصوں کو بھی جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے، جیسے ''أصحاب الکہف'' ڈرامہ کے قالب میں بکمال مہارت ڈھال دیا، اسی طرح بعض فرعونی کلاسیکی کہانیوں کو بھی ڈرامہ کا روپ دے کر اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔

۱۱ء۱ جاہلی دور کی نثر کی امتیازی خصوصیات:

زمانہ جاہلیت میں نثر کی جن اصناف کا ذکر ملتا ہے ان کے مطالعہ کے بعد ان میں مندرجہ ذیل نمایاں خصوصیات نظر آتی ہیں:

- زمانۂ جاہلیت کے نثر نگار الفاظ میں توازن، تناسب اور ان کے صوتی اثرات میں یکسانی اور یک رنگی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ کسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے جس طرح مناسب الفاظ ان کی سمجھ میں آتے اور زبان سے بے ساختہ بر وقت نکل جاتے استعمال کر لیتے تھے۔
- اپنی بات کو دلکش، اسلوب بیان کو مؤثر بنانے کے لئے کاہنوں کے مانند باتکلف جملے نہیں گڑھتے تھے۔
- جملے عام طور پر چھوٹے یا درمیانی ہوتے تھے۔
- ایسی اختصار پسندی جس سے مفہوم مبہم ہو جائے، پسند کی جاتی تھی۔
- ایسی صراحت کے مقابلے میں جس سے مفہوم میں پھیکا پن پیدا ہو جائے ایسے کنایہ کا زیادہ رواج تھا جس سے مفہوم کے سمجھنے میں دشواری بھی نہ ہو اور کنایہ کا لطف بھی بھرپور باقی رہے۔ وہ کہا کرتے تھے: ''الکنایۃ أفضل من التصریح'' صراحۃً کسی شہ کے بیان کرنے کے مقابلہ میں اس کی طرف مجمل اشارہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔
- مشکل اور رقیق افکار و نظریات یا پیچیدہ اور گہرے معنی پیدا کرنے کی طرف جن میں ذہن اور عقل پر زیادہ زور دینا پڑے، دورِ جاہلیت میں فنکاروں کا کم رجحان تھا۔

- بدوی اور فطری زندگی کی محدود ضروریات اور گنے چنے نظریات اور سطحی افکار وخیالات کو فطری طریقہ سے بے ساختہ اور سادہ اسلوب میں بیان کیا جاتا تھا۔
- عبارتوں میں کبھی کہاوت اور ضرب الأمثال کا بھی استعمال ہوتا تھا۔

۱۲ء۱ خلاصہ:

عربی زبان وادب کا معتد بہ حصہ نثر پر مشتمل ہے، ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے استعمال ہونے والا کلام عام طور پر نثری کلام ہوتا ہے، عام بول چال والا کلام ادب کا حصہ نہیں ہو سکتا ہے، البتہ جو کلام جذبات وخیالات میں اثر انداز ہو اور کلام کے مشمولات خوبصورت اسلوب بیان اور موزوں تعبیرات پر مشتمل ہوں وہی کلام ادب کا حصہ ہوتا ہے اور اس کو نثر فنی کہا جاتا ہے۔

لغوی اعتبار سے نثر بکھری ہوئی اور منتشر چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ اصطلاحی اعتبار سے نثر وہ کلام ہے جو کسی متعین وزن پر قائم نہ ہو البتہ اس میں کچھ حقائق بیان کئے گئے ہوں۔

عام نثر کا آغاز تو عربی زبان کے آغاز کے ساتھ ہی ہوا، البتہ نثر فنی کے ابتدائی خدوخال زمانۂ جاہلیت اور خلافت راشدہ کے آغاز میں قائم ہوئے، اموی دور میں مختلف اسلامی علوم کی بنیاد پڑی اور اسی اَساس وبنیاد پر عہد عباسی میں تصنیف وتالیف کا ارتقا ہوا، کتابت وخطابت دونوں میدانوں میں نت نئے اسالیب اور نئی اقسام وجود میں آئیں، نثر اور انشاپردازی کا دور عروج عہد عباسی کو تصور کیا جاتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں نثر کی جو انواع واقسام عام اور مروج تھیں وہ ہیں:

محاورہ اور عام بول چال، خطابت وتقریر، وصیتیں، کہاوتیں اور ضرب الأمثال، فلسفیانہ اور حکیمانہ مقولے، قصے کہانیاں۔

بعد کے ادوار میں مزید چند اقسام کا اضافہ ہوا جن میں خاص طور پر خطوط ورسائل، توقیعات، ڈرامہ، افسانہ نویسی قابلِ ذکر ہیں۔

مذکورہ تمام اقسام میں خطابت وتقریر اور انشاپردازی نثر فنی کی ممتاز و نمایاں اقسام سمجھی جاتی ہیں۔

عربی ادب میں خطبات کی بھی متنوع اقسام معروف ہیں: سیاسی خطبات، دینی خطبات، قانونی خطبات۔

نثری کلام علمیت سے بھرپور ہوتا ہے، نثر میں ہر بات مدلل ہوتی ہے، ورنہ بات ناقابلِ اعتنا ٹھہرتی ہے، نثر کا قاری زبان وبیان اور موضوع سب پر نگاہ رکھتا ہے، نثر میں غنائی عنصر کا التزام نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ ایسا علمی اسلوب اختیار کیا جاتا ہے جو قلمکار اور قاری دونوں سے تفکر وتدبر کا تقاضا کرتا ہے، اور وہی تحریر معتبر قرار پاتی ہے جو یہ تقاضے پورے کرتی ہے، اچھی نثر لکھنے اور بولنے کے لئے زبان وبیان پر دسترس ازحد ضروری ہے۔

۱۳ء۱ نمونے کے امتحانی سوالات

- ✓ نثر کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کریں اور دونوں مفاہیم میں اشتراک کو واضح کریں۔
- ✓ نثر کے تاریخی ارتقاء پر ایک جامع نوٹ لکھیں۔
- ✓ زمانۂ جاہلیت میں نثر کی کون کون سی اقسام معروف تھیں، ہر ایک کی مختصر وضاحت کریں۔
- ✓ خطابت وتقریر کسے کہتے ہیں؟ وضاحت کریں اور بتائیں کہ عربی ادب میں خطبات کی تقسیم کس طرح کی گئی ہے؟
- ✓ جاہلی دور کی نثر کی امتیازی خصوصیات تحریر کریں۔
- ✓ افسانہ نویسی کسے کہتے ہیں، اس فن کا ارتقاء کیسے ہوا بیان کریں۔
- ✓ ڈرامہ کے بارے میں ایک جامع نوٹ لکھیں۔

۱۴ء۱ فرہنگ:

تقابل: موازنہ کرنا

تشکیل: بناوٹ، ساخت، ترکیب

مافی الضمیر: دل کی بات، غرض، مطلب، مقصد و مدعا

قافیہ بندی: اشعار موزوں کرنا

شہ پارہ: یگانہ، یکتا

خدوخال: شکل و صورت، چہرہ مہرہ

انساب: نسب اور رشتوں سے متعلق علم

ہندسہ: اقلیدس، انجینیرنگ

کیمیا: کیمسٹری

فلکیات: وہ علم جس میں آسمان اور اس کی موجودات پر بحث کی جائے۔

تخاطب: سامنے ہو کر بات کرنا، مخاطب ہونا

ارتقاء: ترقی

فقہ: احکام ومسائلِ شریعت کا علم

مراسلت: باہمی خط وکتابت

مناظرہ: بحث، وہ علم جس میں بحث کرنے کے اصول وضوابط درج ہیں۔

تعزیت: ماتم پرسی، مردے کے پسماندوں سے اظہار ہمدردی

محاورہ: باہمی گفتگو، ہم کلامی، اصطلاح عام میں وہ کلمہ یا کلام جسے اہلِ زبان نے لغوی معنی سے کسی خاص مفہوم کے لئے مخصوص کیا ہو۔

قوتِ استدلال: دلیل دینے کی قوت

مفاخرت: ایک دوسرے پر فخر کرنا

۱۵ء۱ سفارش کردہ کتابیں:

تاریخ الأدب العربي، أحمد حسن الزيات

عربي ادب كي تاريخ، ڈاکٹر عبد الحلیم ندوی

مراحل تطور النثر العربي في نماذجه، علی شلق

جدید عربی ادب، ڈاکٹر شوقی ضیف، ترجمہ: ڈاکٹر شمس کمال انجم